سیاسی نظام میں تبدیلی

سلمان عابد

پاکستان میں لوگوں کے مجموعی مزاج اور ان کی نفسیاتی کیفیت کا جائزہ لیں تو لوگ موجودسیاسی نظام، اورسیاسی قائدین سے نالاں نظر آتے ہیں۔ یہ کہنا غلط نہیں کہ سیاست دانوں اور عوام میں اعتماد کا فقدان ہے۔ اس کیفیت نے بہتر سیاسی تبدیلی کے ایجنڈے کے مقابلے میں ان قوتوں اور عناصر کو زیادہ مستحکم کیا ہے جو ملک میں جمہوریت کی بجائے ایک ایسے نظام کو مسلط کرنا چاہتے ہیں یا اسے تقویت دینا چاہتے ہیں جو غیر جمہوری ہونے کے ساتھ ساتھ لوگوں کی خواہشات کے بھی بالکل برعکس ہے۔ دل چسپ بات یہ ہے کہ ملک میں ہمہ گیر سیاسی مایوسی کی اس بحث میں لوگ سیاسی جماعتوں اور ان کی قیادتوں پر تو ماتم کرتے ہوئے نظر آتے ہیں لیکن کہیں بھی اپنی اجتماعی خامیوں اور غلطیوں کا اعتراف نہیں کرتے۔

موجودہ سیاسی نظام میں آمرانہ طرزِ عمل، فردِ واحد کی حکمرانی، کرپشن اور بدعنوانی، کمزور سیاسی جماعتیں اور ان کا غیر جمہوری طرزِ عمل، روپے پیسے کی سیاست اور اخلاقیات سے عاری سیاست سمیت موروثی سیاست کا مضبوط تصور موجود ہے۔ اس کا ذمہ دار کوئی ایک فرد یا ادارہ نہیں بلکہ ہم سب ہی اس ناکامی کے ذمہ دار ہیں۔ کیونکہ ان خرابیوں میں جہاں سیاسی جماعتوں اور ان کی قیادت کا عمل دخل ہے وہیں سیاسی کارکنان بھی اس صورت حال سے اپنے آپ کو بری الذمہ قرار نہیں دے سکتے۔ ہم یہ بھول جاتے ہیں کہ سیاسی جماعتوں اور سیاسی نظام میں جو آمرانہ رویے جنم لیتے ہیں وہ سیاسی کارکنوں اور سیاسی اشرافیہ کی کمزور مزاحمت اور شاہ سے زیادہ شاہ کی وفاداری کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اگر یہ سچ ہے کہ ہم سیاسی عمل میں شخصیت پرستی کے قائل نہیں تو کیا وجہ ہے کہ ہم اپنی

اپنی سیاسی جماعتوں میں اندرونی جمہوریت کو مضبوط کرنے کی بجاے کسی ایک فرد کی حکمرانی میں پیش پیش ہوتے ہیں اور اداروں کے مقابلے میں فرد واحد کو مضبوط بناتے ہیں۔

دراصل جب سیاسی محاذ پر یہ سمجھ لیا جاتا ہے اور سیاسی قیادتیں اپنے کارکنوں کو یہ باور کرواتی ہیں کہ وہی جمہوریت کے لیے لازم ملزوم ہیں اور ان کے بغیر جمہوری عمل آگے نہیں بڑھ سکتا تو خرابی کا آغاز یہیں سے ہوتا ہے۔ ہم چونکہ سیاسی جماعتوں اور جمہوری عمل کو بنیاد بنانے کی بجاے ایک فرد کو بنیاد بنا کر سیاسی جدوجہد کرتے ہیں جو عملی طور پر سیاسی جماعتوں اور سیاسی عمل کو کمزور کر کے فرد واحد کو مضبوط بناتا ہے۔ ہمیں یہ بھی ذہن میں رکھنا ہوگا کہ آمریت یا آمرانہ طرزعمل کا تعلق محض فوجی حکمرانی سے ہی نہیں ہوتا بلکہ اس کی جھلک ہم سول قیادتوں اور نام نہاد جمہوری نظام کے اندر بھی دیکھ سکتے ہیں۔ آج کی ہماری صورت حال واضح طور پر ہمیں باور کروا رہی ہے کہ ہم جمہوری عمل کے اندر کہاں کھڑے ہیں۔ سیاسی جماعتیں، ان کی قیادت اور کارکن بڑے زوردار انداز میں جمہوریت اور سماجی و قانونی انصاف کی جدوجہد کا اعلان کرتے ہیں اور اس میں کسی حد تک بعض جماعتوں کے حوالے سے صداقت بھی ہے، لیکن اپنی اپنی جماعتوں کی اندرونی جمہوریت اور قیادتوں کے آمرانہ طرزعمل پر یا تو ہمارا سیاسی شعور بہت کمزور ہوتا ہے اور ہمیں اندازہ ہی نہیں ہوتا کہ سیاسی جماعتوں کی قیادت ہمارا کس انداز میں سیاسی استحصال کرتی ہیں یا ہماری خاموشی اور کمزور مزاحمت کے پیچھے بہت سی مصلحتوں کی سیاست کارفرما ہوتی ہے۔

سیاسی جماعتوں کے اندر جمہوری طرزِعمل پر بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے لیکن موروثی سیاست کا جو بحران اب سامنے آیا ہے وہ ایک خطرناک سیاسی رجحان کی نشاندہی کرتا ہے۔ پیپلز پارٹی میں بے نظیر بھٹو کی موت کے سانحے کے بعد قیادت کے لیے بلاول بھٹو کی حمایت میں وصیت کا سامنے آنا، مسلم لیگ (ن) اور مسلم لیگ (ق) میں نواز شریف اور چودھری خاندان کی اجارہ داری اور اب اپنے بچوں کو سینیر لوگوں کی موجودگی میں قیادت کے طور پر پیش کرنا، اے این پی میں خان عبدالغفار خان سے لے کر سرحد کے وزیراعلیٰ تک، قوم پرستوں کی جماعتوں سمیت سب میں خاندان کی اجارہ داری کا تصور مضبوط عنصر کے طور پر سامنے آیا ہے۔ موروثی سیاست کی مضبوطی کی ایک بڑی وجہ دولت کا سیاست میں عمل دخل بھی ہے اور اس عمل کے ساتھ ان لوگوں کا سیاسی کارکنوں کے

معاملے میں تعلق، ایک کاروبار کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ اس عمل نے لوگوں میں اس مایوسی کو جنم دیا ہے کہ سیاسی جماعتیں ایک ایسی تبدیلی میں سنجیدہ نہیں جس سے ان کی طاقت کے مقابلے میں سیاسی کارکنوں کی طاقت میں اضافہ ہو۔

سیاسی جماعتوں کی قیادت سمجھتی ہے کہ اگر ان کے مقابلے میں سیاسی جماعت مضبوط ہوگی تو وہ عملی طور پر کمزور ہوں گے، اور یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی طاقت کو بالادست رکھنے کے لیے سیاسی جماعتوں کی کمزوری کو اپنی سیاست کی بنیاد بناتے ہیں۔ یہ بھی ہمیں تسلیم کرنا ہوگا کہ سیاسی جماعتوں کے اندر تبدیلی اور معاشرے میں اس کا نتیجہ نظر نہ آنے کی وجہ ایک جاگیردارانہ سوچ، قبائلی طرزِ سیاست، برادری کی سیاست کو مضبوط بنا کر پیش کرنے کے عمل سے مشروط ہے۔ اس لیے اس صورت حال کو تبدیل کیے بغیر یہ سمجھ لینا کہ ہماری سیاسی قیادتیں جمہوریت پر گامزن ہوسکیں گی ایک مشکل عمل نظر آتا ہے۔ لوگ آمریت کے خلاف تو بات کرتے ہیں لیکن سیاسی جماعتوں کے اندر موجود اس قبائلی سرداری سیاست، برادری، دولت اور شخصیت پرستی کی سیاست کو چیلنج نہیں کرتے۔ یہ طرزِ عمل، عملی طور پر ہمیں اور ہماری سیاست کو کمزور کر کے ایک آمرانہ مزاج اور فردِ واحد کی سیاست کو تقویت دیتے ہوئے عام آدمی کو سیاست سے دُور کر دیتا ہے اور اس کے ذمہ دار ایک سطح پر ہم بھی ہیں۔

سوال یہ ہے کہ ہماری سیاست اور سیاسی جماعتوں کی سطح پر وہ لوگ جو سیاست میں بہتر تبدیلی کے خواہش مند ہیں، وہ اس صورت حال کا مقابلہ کیسے کریں؟ اسی طرح سیاسی کارکنوں میں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہم موجودہ صورت حال میں سیاسی جماعتوں کے اندر موجود قیادت کی اس آمریت کا مقابلہ کر کے جمہوری سوچ اور قدروں کو بحال کرسکیں گے؟

یقیناً صورت حال سیاسی جماعتوں اور ان کی قیادت سمیت سیاسی سطح پر کافی مخدوش ہے لیکن ایسی مایوسی کی بات بھی نہیں۔ یہ سوچ کہ ان برے حالات میں کچھ تبدیل نہیں ہوسکتا، ایک مایوسی کی کیفیت ہے اور ہمیں اس سے باہر نکل کر اپنے لیے نئے راستے تلاش کرنے ہوں گے۔ مایوسی کی یہ کیفیت ایک طرف لوگوں کو کسی بڑی تبدیلی کے لیے عملی مزاحمت سے روکتی ہے تو دوسری طرف ان بالادست طبقوں کو جنھوں نے سیاست پر قبضہ کیا ہوا ہے ان کو مضبوط بناتی ہے۔ لوگوں میں مایوسی کا پیدا ہونا ان بالادست طبقوں کی سیاسی حکمت عملی کا نتیجہ ہے اور ہمیں اس حکمت عملی کے

مقابلے میں اپنے مفادات پر مبنی سیاسی حکمت عملی کو وضع کرنا ہوگا۔ اس کے لیے پہلے ہمیں اپنے اندر موجود ان مختلف سیاسی، سماجی و شخصی تضادات کو ختم کرنا ہوگا جو ہماری بربادی اور تباہی کے اصل محرکات ہیں۔ ہمیں ضرور اپنی موجودہ سیاسی قیادتوں سے توقعات وابستہ کرنی چاہییں لیکن اس کے ساتھ ساتھ اپنی آنکھیں بھی کھول کر رکھنی ہوں گی کہ وہ ان کے مقابلے میں کس کی سیاست کر رہے ہیں۔ یہ سیاسی کارکنوں کا ہی فرض اور ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی اپنی سیاسی جماعتوں کے اندر موجود اندرونی جمہوریت کے مسائل کے حل کے لیے اصولی موقف کو اپنانے پر زور دیں۔ سیاسی جماعت کے دستور، منشور، پروگرام اور جمہوری روایات کے فروغ کے لیے آواز اٹھائیں۔ اس کے لیے سیاسی کارکنوں کی سطح پر اپنے آپ کو منظّم کرنا ہوگا اور مؤثر دباؤ کے ذریعے سیاسی جماعتوں کی قیادت کو مجبور کرنا ہوگا کہ وہ اپنے اندرونی معاملات میں بھی جمہوری طرزِ عمل اختیار کریں۔ سیاسی قیادتوں کی یہ سوچ کہ ہمارے بغیر جمہوریت نہیں چل سکے گی، ایک آمرانہ سوچ کی عکاسی کرتی ہے۔ اس سوچ کو بدلنے اور اصولی سیاست کو بنیاد بنانے کی ضرورت ہے۔

ہندستان میں بی جے پی کی سطح پر پچھلی دو دہائیوں میں قیادت پر کئی لوگ آئے اور چلے گئے لیکن ان کی جماعت کا جمہوری عمل ایک تسلسل کے ساتھ اب بھی جاری ہے۔ پاکستان میں جماعت اسلامی کی سطح پر جمہوری انتخابی عمل موجود ہے اور قیادت یہاں موروثی کے مقابلے میں ایک جمہوری طرزِ فکر کی عکاسی کرتی ہے۔ اسی طرح سیاسی کارکنوں کی سطح پر ان کی سیاسی تعلیم جو سیاسی جماعتوں کے اندر عملاً نہ ہونے برابر ہے، اسے سامنے لانا ہوگا تاکہ انھیں معلوم ہو کہ سیاست اور اس کے مسائل کے ساتھ بطور سیاسی کارکن ان کی کیا ذمہ داری ہے۔ سیاسی جماعتوں کے کارکن عملاً ایک پریشر گروپ کا بھی کردار ادا کرتے ہیں اور یہ کردار محض ان کی جماعتوں کی سیاست کے باہر تک محدود نہیں بلکہ اس کا دائرہ کار وسیع ہونا چاہیے اور اندرونی سطح پر ہونے والے غلط فیصلوں پر انھیں مزاحمتی عمل کو مضبوط بنانا چاہیے۔ سیاسی جماعتوں کے اندر انتخابات کے مقابلے میں نامزدگی اور بلامقابلہ انتخاب کا رجحان ایک خطرناک عمل ہے اور اس کو روکنا چاہیے وگرنہ قیادتیں اپنی مرضی کے مطابق مخصوص خاندانی لوگوں اور دوستوں کو اہم عہدے نوازتی رہیں گی۔ کیا وجہ ہے کہ ہم دوسرے ملکوں کی طرح اہم عہدوں پر قیادت کی نامزدگی کے عمل کو عوامی انتخاب سے قبل اپنی سیاسی جماعتوں

کے اندر انتخابی عمل سے گزاریں، اور یہ فیصلہ کہ سیاسی جماعت کے اندر کون ان کی قیادت کا اہل ہوگا وہ کسی فردِ واحد کی بجاے سیاسی جماعتوں کے کارکنوں کے فیصلے سے مشروط ہو۔

یہ سمجھنا کہ یہ سب کام بغیر کسی سیاسی جدوجہد اور مزاحمت کے ممکن ہو جائے گا تو ایسا نہیں ہوگا۔ اس کے لیے سیاسی جماعتوں کے کارکنوں کے ساتھ ساتھ ملک میں موجود سیاسی اشرافیہ اور سول سوسائٹی کو نہ صرف موجودہ سیاسی قیادتوں کے آمرانہ طرزِعمل کے خلاف مضبوط آواز اٹھانی ہوگی بلکہ اپنی طاقت سیاسی قیادتوں کے پلڑے میں ڈالنے کی بجاے سیاسی کارکنوں کے ساتھ اپنے آپ کو کھڑا کرنا ہوگا۔ یہ عمل سیاسی قیادت کے ساتھ ساتھ سیاسی کارکن کی بھی طاقت کو مضبوط بناتے ہوئے ملک کی سیاست میں ایک نئے کلچر کو متعارف کروائے گا۔ اس عمل سے سیاسی کارکن مستقبل کی سیاست میں ایک نئی طاقت بن کر سیاسی عمل میں فیصلہ کن کردار ادا کرے گا۔ اس کے لیے سیاسی کارکنوں کی سطح پر یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اگر دیکھیں کہ ان کی جماعت میں سیاسی کارکن کے خلاف فیصلے ہو رہے ہیں تو وہ اس پر خاموش رہنے کی بجاے آواز اٹھائیں ورنہ جو کچھ آج ان کے سامنے ہو رہا ہے وہ کل کسی اور کے سامنے ان کے ساتھ بھی ہو رہا ہوگا۔

جب ہم سیاسی جماعتوں کی قیادتوں، کارکنوں اور ان کی اندرونی جمہوریت کے حوالے سے سوال اٹھاتے ہیں تو اس کا براہِ راست تعلق ملک کی جمہوریت اور اس کے سیاسی نظام کے ساتھ مشروط ہے۔ اس لیے ہمیں مایوس ہونے کی بجاے اپنی طاقت کو نئے سرے سے منظم کر کے معاشرے کے اندر موجود اس سیاسی کلچر کے خلاف جدوجہد کرنا ہوگی جو عملاً ان کی سیاسی طاقت کو کمزور کرتا ہے۔ اگر سیاسی قیادتیں اور دیگر بالادست گروپ اپنی سیاسی طاقت کو برقرار رکھنے کے لیے آپس میں ایک دوسرے کے مفادات کو نہ صرف تقویت دیتے ہیں بلکہ عوام کو بے وقوف بنا کر ان کا سیاسی استحصال کرتے ہیں، تو کیا وجہ ہے کہ سیاسی کارکن اپنی طاقت کو منظّم کرنے میں ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کریں۔ سیاسی جماعتوں کی اندرونی جمہوریت ملک میں سیاسی نظام کی مضبوطی کے لیے پہلی سیڑھی ہے اور اس کو بنیاد بنا کر ہم ملک کو ایک جمہوری، فلاحی اور اسلامی معاشرے میں تبدیل کر سکتے ہیں۔ ہمیں اس ایجنڈے کو بنیاد بنا کر اپنی سیاسی جدوجہد کو بہتر سمت دیتے ہوئے تیز کرنا ہوگا تا کہ لوگوں میں تبدیلی کے تناظر میں موجود مایوسی کی کیفیت کو ختم کیا جاسکے۔